چند تصویریں

سیرت کے البم سے

خرّم مراد

فہرست

اسوہ حسنہ

اسوہ حسنہ کا نام آتا ہے تو اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ بالعموم ہمارے ذہن میں یہی آتا ہے کہ آپ لباس کیسا پہنتے تھے؟ آپ کے کھانے اور پینے کے انداز کیا تھے؟ آپ چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے کس طرح تھے؟ اس سے زیادہ کچھ سوچتے ہیں، اگرچہ کم ہی سوچتے ہیں تو یہ کہ آپ کے اخلاق کیسے تھے؟ لیکن اسوۂ حسنہ کا نام سن کر جو تصویریں ہمارے ذہن میں نہیں آتیں، کم از کم اس حیثیت سے نہیں آتیں کہ ان جیسا ہمیں بھی بننا ہے، وہ تصویریں مکہ کی گلیوں میں تگ و دو کی، کوہ صفا سے پکار کی، عکاظ کے میلوں میں گشت کی، طائف کی وادیوں میں آبلہ پائی کی، بدر و حنین اور احد وحدیبیہ کے کارزار کی تصویریں ہیں۔

(خرم مراد)

عرض ناشر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر اردو زبان میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، آپ کے رہن سہن، بول چال، اخلاق و معاملات اور غزوات وغیرہ مختلف پہلو کافی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، یقیناً حیات مبارکہ کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک پہلو توجہ کا مستحق ہے۔ لیکن ایک پہلو ایسا بھی ہے، جس کی جانب بہت کم ہی توجہ دی جاتی ہے، گرچہ کہ یہ حیات مبارکہ کا انتہائی زریں اور تابناک پہلو ہے ——— رسول اکرم کی زندگی کا داعیانہ پہلو ——— 'دعوت دین' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ نبوت کی زندگی کا ایک جامع عنوان ہے۔ آپ نے رب کے پیغام کو عام کرنے کے لیے انتھک جدوجہد کی، اور اس راہ کے تمام ہی گرم اور سرد حالات کا بہت ہی عزم و استقلال کے ساتھ سامنا کیا۔ آپ کے بعد یہ ذمہ داری امت مسلمہ سے وابستہ افراد پر عائد ہوتی ہے کہ وہ رب کے بندوں کو رب کے پیغام سے روشناس کرائیں، اس طور پر دیکھا جائے تو سیرت رسول کے اس پہلو کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس پہلو کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور عصر حاضر میں دعوت دین کے سلسلہ میں اس سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

خرم مراد پر اللہ کی رحمت ہو کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کی مدد سے دعوت، داعی اور مخاطب کے رشتے اور اس کے تقاضوں کو نہایت خوبصورتی سے بیان کر دیا ہے۔ مصنف کے طرز تحریر اور اسلوب بیان نے سیرت پاک کے اس پہلو کو آج کے داعیان حق سے کافی قریب کر دیا ہے، کتاب کو پڑھ کر قاری محسوس کرتا ہے کہ گویا سب کچھ نگاہوں کے سامنے ہے۔ دل کی آنکھیں ان خوشنما، دل کش اور جاں گداز مناظر کو بالکل اسی طرح دیکھ سکتی ہیں، جس طرح اطراف میں پھیلی ہوئی دنیا اور اس کی رنگینیوں کو دیکھتی اور محسوس کرتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ملت کے نوجوان آگے بڑھیں، اور سماج میں اپنا مطلوبہ داعیانہ کردار ادا کرنے کے لیے عزم سفر تازہ کریں، واللہ ولی التوفیق۔

پیش لفظ

۱۹۸۲ء میں جراحت قلب کے پہلے سنگین مرحلہ سے گزرنے کے بعد گلاسگو میں یُو کے اسلامک مشن کی سالانہ کانفرنس میں اختتامی خطاب کی دعوت ملی، خطاب کا موضوع دعوت ہو، اس پر تو دل ٹھکا ہوا تھا ـــــ سوچ یہ رہا تھا کہ کس انداز میں ہو؟ رات کی تنہائی میں اپنے البم کا خیال آیا جس میں سب سے زیادہ تصاویر اسوۂ حسنہ کی ہیں۔ اگلے دن آدھے گھنٹہ کی ایک مختصر سی تقریر ہوگئی۔ یہ کانفرنس کی اختتامی تقریر تھی۔ ایک محترم عالم دین مفتی مقبول احمد صاحب نے جن کا تعلق تحریک اسلامی سے نہیں ہے، اس تقریر کے بارے میں یہ کہہ کر ہمت بندھائی کہ خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ وَ فِی ذٰلِکَ فَلۡیَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ. (مشک کی مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ ہے وہ چیز جس کے لیے بازی لے جانے والے بازی لے جائیں) (المطففین: ۲۶)

اس کے بعد جب اکتوبر ۱۹۸۲ء میں طلبہ کے سالانہ اجتماع میں تقریر کی نوبت آئی تو میں نے اسوۂ حسنہ کے عنوان سے اپنے البم کو ذرا اور کھول دیا ـــــ یہ تقریب ٹیپ سے نقل ہوکر 'ہمقدم' لاہور میں چھپی ـــــ تقریر کی زبان، ترتیب اور بیان سے دل مطمئن نہ تھا اور یہ خیال تھا کہ موقع ملے گا تو اس پر نظر ثانی کروں گا۔ نظر ثانی کرنے بیٹھا تو حسب معمول ایک نئی چیز تیار ہوگئی۔

فللّٰہ الحمد ـــــ امید تو ہے کہ یہ زیادہ مفید ہوگی اور اس سے زیادہ یہ کہ ـــــ بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل کرے گی اور آخرت میں نجات کے لیے مدد و معاون ہوگی۔

آج اس ملت مسلمہ کی زندگی کا احیاء اور تحریک اسلامی کے لیے فتح، میری رائے میں اس دعوت کو اسی انداز میں لے کر کھڑے ہوجانے پر منحصر ہے جس کی جھلک ہم کو اسوۂ حسنہ کی ان چند تصاویر میں ملتی ہے۔ دعوت کے لیے لگن، جواب دہی کا احساس، مخلوق خدا سے محبت، سادہ زندگی، بندگی رب اور قسط و انصاف کا پیغام۔ ان چیزوں میں ہی وہ سب کچھ پوشیدہ ہے جس کی ہم کو تمنا ہے ـــــ اگر یہ مختصر سا کتابچہ نوجوانوں میں، عورتوں میں، بچوں میں، بوڑھوں میں ان چیزوں کی طلب اور شوق پیدا کردے، ان کے دلوں میں یہ روشنی کردے تو میں اپنے کو بہت خوش نصیب سمجھوں گا۔

چند تصویریں

میرے پاس ایک بڑا پیارا سا البم ہے!

بات یہ ہے کہ جب میری نظر کسی بہت خوبصورت تصویر پر پڑتی ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ یہ ہمیشہ میرے پاس رہے۔ اپنے پاس رکھنے کی خاطر میں اسے اپنے البم میں لگا لیتا ہوں، ایسی خوبصورت تصویریں بہت دنوں سے جمع کر رہا ہوں اور اب تک میرے اس البم میں میری پسند کے حسن و جمال کے بے شمار مرقعے آویزاں ہو چکے ہیں۔

دل چاہتا ہے کہ آج یہ البم کھول کر چند تصویریں آپ کو بھی دکھاؤں اور آپ کے لیے بھی لذت نگاہ کا سامان کروں۔ شاید کہ یہ دل ربا صورتیں آپ کی نگاہوں میں سما جائیں، آپ کا دل ان کے حسن و جمال کا اسیر ہو جائے، ان میں اٹک کر رہ جائے، آپ کی نظر ان پر جم جائے، آپ ان کو میرے البم سے حاصل کر کے اپنے دل میں سجا لیں، یہ آپ کے دل میں اتر کر بسیرا کر لیں، نقش ہو جائیں۔ جب چاہیں ان سے لذت نظارہ اور عشرت قلب کا سامان کریں بلکہ کیا عجب کہ ان کو دیکھتے دیکھتے، ان سے محبت کرتے کرتے آپ خود بھی ان حسین پیکروں کے سانچہ میں ڈھلنا شروع ہو جائیں، جن کی عکاسی یہ تصویریں کرتی ہیں۔

اگر یہ تصویریں آپ کو پسند آجائیں تو شوق سے آپ کی نذر ہیں، آپ ان کو سینے سے لگائیں، دل میں بٹھائیں، اپنے البم میں سجائیں۔ آپ کو دے دینے سے میرا کوئی نقصان نہ ہوگا، نہ میرا البم خالی ہوگا ——— آپ کو دینے کے لیے کسی مشینی کیمرہ کی ضرورت پڑے گی نہ فلم اور پلیٹ کی ——— بس آپ کی آنکھ کا کیمرہ اور دل کی فلم کافی ہوگی ——— یہ تصویریں ہیں ہی کچھ ایسے نرالے انداز کی ———

ہر چیز نرالی

میرا یہ البم بڑا انوکھا اور نرالا البم ہے، عام البموں سے بالکل مختلف ـــــ اس میں دبیز اور خوبصورت اوراق نہیں ہیں، نہ اس کی کوئی مزین جلد ہے۔ یہ کوئی ساکت اور بے جان البم نہیں ہے ـــــ یہ تو مسلسل متحرک ہے، ایک لمحہ کو سرد اور بے جان نہیں ہے ـــــ اس میں تصویریں گرمئ نفس اور سوزش جذبات سے چسپاں کی جاتی ہیں، زندگی کی دھڑکنوں کے فریم میں آویزاں ہوتی ہیں، گردش خون سے اس کے اوراق الٹتے ہیں ـــــ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کون سا البم ہے؟ یہ البم میرا دل ہے، میری ساری ذات کا مرکز ـــــ رگ و ریشہ میں ہر چیز یہیں سے پمپ ہوتی ہے، محبت ہو یا نفرت، عزم ہو یا پست ہمتی اس کے اوراق ان گنت ہیں اور اس کا مقدر دوام وخلود ہے۔ وہ حسن و جمال بھی بڑے نرالے انداز کا رکھتا ہے، جس کو ان تصویروں نے محفوظ کرلیا ہے اور تصویریں خود بھی نرالی ہیں ـــــ اس دنیا میں حسن اور خوبصورتی کی کیا کمی؟ اس کا بنانے والا رحمٰن ہے، رحیم ہے، جمیل ہے، مصور ہے ـــــ پتھر کی رنگ برنگ اور کوتاہ و بالا چٹانوں کو دیکھئے ـــــ کھلتے مہکتے پھولوں اور پتیوں کی بہاروں پر نظر ڈالیے ـــــ آسمان پر جڑے ہوئے جگمگاتے ستاروں کی طرف نگاہ کیجئے ـــــ زمین کے وسیع و مرصع فرش پر چلئے ـــــ فضاؤں میں اڑتے ہوئے پرندوں اور زمین پر چلنے والے جانوروں پر نگاہ ڈالیے ـــــ اس نے ہر جگہ اور ہر ایک میں حسن و خوبصورتی کو سمودیا ہے، بڑی فیاضی سے بخش دیا ہے، ہر طرف پھیلا دیا ہے ـــــ لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے کیا چیز سب سے زیادہ حسین و دل رُبا نظر آتی ہے، جس پر نگاہ پڑے تو ہٹنے کا نام نہ لے، دل آجائے تو دل سے نہ اترے؟ میرے نزدیک تو سب سے زیادہ خوبصورت ایک اچھا انسان ہے، اس کا اچھا کردار اور اچھا اسوہ ہے ـــــ اس حسن کی رعنائی اور دل ربائی کے کیا کہنے! اب آپ ہی بتایئے کہ اس شخص سے زیادہ حسین اور کون شخص ہوگا اور اس کی تصویر سے زیادہ خوبصورت اور کس کی تصویر ہوگی، جس سے بہتر انسان پر آج تک نہ آسمان نے سایہ کیا اور نہ اس کے لیے زمین نے نگاہوں کو فرش راہ کیا۔

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حَسنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

(......اس نے اپنے کمال سے انتہائی بلندی کو پالیا۔اس کے جمال کی جگمگاہٹ سے تاریکی چھٹ گئی—— اس کی ہر خصلت حسن کی پیکر بن گئی——اس پر اوراس کی آل پر درود بھیجو——!)

حسن و جمال کا نرالا پن تو آپ نے دیکھا——اب ذرا تصویروں کا نرالا پن ملاحظہ کیجئے——
جس زمانے کی تصویریں میں آج آپ کو دکھاؤں گا اس زمانہ میں کیمرہ نہیں ہوتا تھا، کاغذ اور پتھر پر ہاتھ سے نقاشی ہوتی تھی——اب تو کیمرہ اور ویڈیو کیمرہ بھی آ گیا ہے۔اس زمانے میں یہ مشینی آلات ہوتے بھی تو جو تصویریں وہ محفوظ کرتے وہ مجھے اس طرح بھلی نہ لگتیں—— کیمرہ کی تصویر، ایک ساکت اور بے جان تصویر سے میں کیا دل لگاتا! مووی کیمرہ کی تصویر متحرک تو ہوتی، کوئی چلتا پھرتا اور بات چیت کرتا تو دکھائی دیتا، لیکن گویا کہ کٹھ پتلی حرکت کر رہی ہے—— جذبات اور تاثر کی حرارت سے بالکل خالی—— میرے دل کے البم میں جو تصویرے لگی ہوئی ہیں، وہ الفاظ سے کھینچی گئی ہیں۔میں نے جو تصویریں خود اپنے زمانے میں کھینچ کرا پنے البم میں لگائی ہیں، وہ میرے سمع و بصر کی مرہون منت ہیں—— لیکن جو تصویریں میں آپ کو دکھانے چلا ہوں، وہ اس پیکر حسن و جمال کے ساتھیوں نے محفوظ کی ہیں، اپنے زندہ اور خوبصورت الفاظ میں—— لفظوں کی تصویر کی بات ہی اور ہے—— نگاہوں کے سامنے بھی عیاں ہو جاتی ہے، دل میں بھی اتر جاتی ہے، جذبات کو بھی مرتعش کر دیتی ہے، دل کی دھڑکن بھی بڑھا دیتی ہے، خون میں حرارت اور قلب میں اطمینان بھی پیدا کرتی ہے——ایسی تصویر سے زیادہ دل کش اور دل نشیں، پُرکشش اور تاثر و تاثیر سے لبریز تصویر اور کیا ہو سکتی ہے——!!

محبت فاتح عالم

مجھے یہ تصویریں بہت پیاری لگتی ہیں—— مجھے ان سے بہت محبت ہے۔میری آرزو اور خواہش ہے کہ آپ کو بھی اسی طرح ان سے محبت ہو جائے—— بلکہ میری محبت سے زیادہ اور ہمیشہ رہے۔محبت ہی زمان و مکاں کے فاصلے مٹا کر محبوب سے قریب کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔جو مجسم محبت و رحمت تھے اور جن کی چند تصاویر آج میں آپ کی نذر کرنے چلا ہوں۔انہوں نے خود ہی یہ خوش

خبری دی ہے......

ان کے ایک ساتھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ دل میں ایک خلش تھی، وہ بیان کی — یہ خلش ہم سب کے دل میں ہے۔ اب پوچھنے کا موقع تو نہیں، لیکن اس شخص نے ہم سب کی طرف سے پوچھ لیا۔ ''اے اللہ کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ جس نے لوگوں سے محبت کی، لیکن ان تک نہ پہنچ سکا؟'' — نہ صُحبت ملی نہ ملاقات ہوئی، نہ عمل میں ان کے قریب پہنچ سکا — فاصلے زماں کے بھی رہے، مکاں کے بھی اور علم وعمل کے بھی — آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (متفق علیہ)

(آدمی اس کے پاس ہے جس سے اس نے محبت کی)

یہ ساتھ اور قرب اس دنیا میں تو ہے ہی — اور اگر آپ کو شبہہ ہو تو محبت کر کے دیکھ لیجئے کہ زمانہ اور فاصلہ کا بُعد کس طرح مٹ جاتا ہے — لیکن اس دنیا، آنے والی اور ہمیشہ رہنے والی دنیا کے لیے بھی یہی بشارت ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور ساتھی حضرت انس (رضی اللہ عنہ) نے بتایا ہے کہ ایک اور شخص نے آپ سے پوچھا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ پوچھ تو رہے ہو، لیکن اس کے لیے تیاری کی ہے؟ بولا:

مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ.

(تیاری تو میں نے کچھ نہیں کی — لیکن بس اتنا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں)

نبی کریم (علیہ السلام) نے فرمایا:

اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ ———— (متفق علیہ)

(تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے)

بتایئے! اس سے زیادہ خوشی وشادمانی کا سامان اور کس بات میں ہوسکتا ہے!! خود اس زمانے میں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، ''لوگوں نے یہ خوش خبری سنی تو ایسے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد کسی بات سے نہ ہوئے تھے'' — یہ حضرت انسؓ کا بیان ہے — اب

ہمارے زمانے میں تو ہم جیسے درماندہ و عاجز، ناقص و ناکارہ انسانوں کے لیے، جو آخرت کی تیاری میں بالکل ہی پیچھے رہ گئے ہیں، تسلی و اطمینان اور مسرت وخوشی کا سامان واقعی اس بات سے بڑھ کر اور کس بات میں ہوسکتا ہے — پس محبت کریں تو اللہ کا بھی ساتھ ملے گا، اس کے پیارے رسولؐ کا بھی اور ان دونوں کے سارے چاہنے والوں کا بھی —

آج اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات تو ہمارے درمیان موجود نہیں، لیکن آپ کی جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصویر ہمارے پاس ہے — پوری زندگی کی تصویر — اس لیے کہ آپ کا اسوہ ہمارے پاس ہے — اگر ہم اس اسوہ کی ایک ایک ادا اور اس کے ایک ایک نقش سے محبت کرنے لگیں اور اس پر اپنی نگاہیں جمالیں، اسے اپنے دل میں بٹھالیں، اور اس جیسا بننے کی کوشش میں بھی لگ جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس خوش خبری کے مستحق نہ قرار پائیں — اگرچہ آج ہم آپ کے قدموں میں نہیں بیٹھ سکتے، لیکن آپ کے ہر قدم کی چاپ سُن سکیں گے اور آخرت میں تو ضرور آپ کو ان آنکھوں سے دیکھیں گے اور آپ کی صحبت کی سعادت سے سرفراز ہوں گے — (ان شاء اللہ تعالیٰ)

ایک بات ضرور ہے — جو تصویریں میں آپ کو دکھانے چلا ہوں، ان کے ساتھ صرف لطف ولذت نہیں، درد وغم کی چند لہریں بھی ہیں — یہ لہریں میرے دل کے اندر اُٹھتی ہیں اور ان کی کسک شاید آپ بھی محسوس کریں — مگر یہ درد اور کسک کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ جب میں ایک طرف ان تصویروں کو دیکھتا ہوں اور دوسری طرف اپنے آپ پر نظر ڈالتا ہوں، اپنی زندگی کو دیکھتا ہوں تو مجھے ان دونوں میں اتنا نمایاں تفاوُت، بلکہ تضاد محسوس ہوتا ہے کہ بے اختیار میرا دل غم و اندوہ کا شکار ہوجاتا ہے۔

شکار اس غم کا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرا دل محبت سے خالی ہو — جب ہی میں ان تصویروں کے حسن و جمال سے آنکھیں بند کر کے نہیں معلوم کن راہوں پر دوڑتا چلا جارہا ہوں، ایسا نہ ہو کہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قرب سے محروم ہوجاؤں، دور کردیا جاؤں — کہ جس سے محبت کا مجھے دعویٰ ہے اور جس کے پیچھے چلنے کی آرزو میرے دل میں ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ان تصویروں کے ساتھ یہ درد وغم بھی آپ کی نذر کردوں — آپ تصویریں لے کر جائیں — آپ شاید کہیں کہ درد وغم تو کوئی تحفہ نہ ہوا، تحفہ تو وہ ہے کہ جو خوشی اور مسرت

ساتھ لائے — لیکن جس غم کی کسک میں آپ کو دینا چاہتا ہوں اس کے بارے میں اتنی بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر آج آپ نے اس غم کو پالیا تو آج بھی اور کل بھی ہر اندیشہ اور خوف سے اور ہر حسرت اور غم سے نجات پا جائیں گے ''لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْن'' کی بشارت آپ کے حق میں پوری ہوگی اور آپ اس مقام اعلیٰ پر پہنچ جانے کے مستحق بن جائیں گے۔

چنانچہ ان تصویروں کو اس طرح دیکھیں کہ آپ ان کی دل کشی و دل ربائی سے لطف اندوز بھی ہوں، آپ کے دل کے اندر ان سے محبت بھی پیدا ہو۔ ساتھ ہی یہ آپ کے لیے ایک معیار اور کانٹا بھی بن جائیں اور ایک آئینہ بھی کہ جس میں جھانک کر آپ یہ دیکھ سکیں کہ خود آپ کا پیکر، آپ کی زندگی، آپ کے لمحات، آپ کے شب و روز، آپ کی تصویریں، اس سے کتنی مطابقت رکھتی ہیں۔

تصویر دعوت

تصویر کس طرح بنتی ہے؟ چھوٹے چھوٹے نقطے، ان گنت تعداد میں ایک خاص ترتیب سے ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ایک واضح تصویر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ بہت ساری ان گنت تصویروں کو تیزی کے ساتھ حرکت میں لایا جائے تو وہ ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک متحرک تصویر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ساری تصویروں کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھا، اس ترتیب سے رکھا جس ترتیب سے ان کے ساتھیوں نے رکھا، ان کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھتا چلا گیا تو سب سے واضح تصویر ایک ہی نظر آتی ہے۔ آپ رسول تھے، اپنے رب کے بھیجے ہوئے تھے، آپ کے پاس ایک پیغام تھا، آپ کے پاس ایک دعوت تھی، اس دعوت اور پیغام کو پہنچانا ہی آپ کی زندگی تھی، مجھے ایسا لگا کہ جس لمحہ غارِ حرا میں خدا کی وحی اور ہدایت کی پہلی کرن نے آپ کے قلب مبارک کو چھوا، اس لمحہ سے لے کر زندگی کے آخری لمحہ تک جب آپ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی، اور الرفیق الاعلیٰ کے پاس گئے، آپ کی زندگی رسالت و دعوت کی تصویر ہے۔ ہر لمحہ یہی دُھن ہے، اس کی فکر ہے، اسی کا احساس ہے، اسی کے لیے شب و روز وقف ہیں، اسی کے لیے تگ و دو ہے، اسی کے لیے میل جول ہے، اسی کے لیے جدوجہد ہے۔

اسوہ حسنہ کا نام آتا ہے تو اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ بالعموم ہمارے ذہن میں یہی آتا ہے کہ

آپ لباس کیسا پہنتے تھے؟ آپ کے کھانے اور پینے کے انداز کیا تھے؟ آپ چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے کس طرح تھے؟ اس سے زیادہ کچھ سوچتے ہیں، اگرچہ کم ہی سوچتے ہیں تو یہ کہ آپ کے اخلاق کیسے تھے؟ لیکن اسوۂ حسنہ کا نام سن کر جو تصویریں ہمارے ذہن میں نہیں آتیں، کم از کم اس حیثیت سے نہیں آتیں کہ ان جیسا ہمیں بھی بننا ہے، وہ تصویریں مکہ کی گلیوں میں تگ و دو کی، کوہِ صفا سے پکار کی، عکاظ کے میلوں میں گشت کی، طائف کی وادیوں میں آبلہ پائی کی، بدر و حنین اور احد و حدیبیہ کے کارزار کی تصویریں ہیں۔ کھانے پینے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے کی تصویریں یقیناً آپ کے اسوہ کا ایک حصہ ہیں، ان میں سے ہر تصویر خوبصورت ہے، ہمارے لیے اہم ہے لیکن کہا تو یہ گیا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ——— (الاحزاب)

(بیشک تمہارے لیے اسوۂ حسنہ اللہ کے رسول میں ہے)

رسول اللہ کے لفظ پر غور کیجیے تو ساری تصویر آپ کے سامنے آجائے گی۔ پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ اگرچہ اسوہ کی ہر تصویر اہم ہے، لیکن ساری زندگی کی کوئی ایک سب سے نمایاں تصویر بنتی ہے تو وہ اسوۂ رسالت کی ہے، وہ اسوۂ دعوت کی ہے، وہ اسوۂ انذار و تبشیر کی ہے، وہ اسوۂ تلاوت آیات کی ہے، وہ اسوۂ تعلیم کتاب و حکمت کی ہے، وہ اسوۂ تزکیہ نفوس کی ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ انہی کا عکس ہے۔ ہم کو یقیناً کپڑے اسی طرح پہننے چاہئیں، جس طرح آپ نے بتایا ہے۔ ہمارے کھانے پینے، سونے جاگنے اور چلنے پھرنے کے انداز بھی آپ کے انداز کے مطابق ہونے چاہئیں۔ ہمارے اخلاق بھی آپ ہی کے رنگ میں رنگ جانا چاہئیں، لیکن اگر ہماری زندگی آپ کی تصویر دعوت و رسالت کی تصویر نہ بنی تو ہم صحیح معنوں میں آپ سے محبت کرنے والے نہ ہوں گے۔

یہ ساری بات اتنی تفصیل سے میں نے اس لیے کہی کہ آپ یہ سمجھ سکیں کہ میں نے ان تصاویر کو آپ کے لیے کیوں منتخب کیا ہے۔ اب آیئے میں آپ کو اپنا البم کھول کر دکھاؤں۔

ذوق وشوق دیکھ دلِ بیقرار کا

پہلی تصویر: چشم گریاں

یہ پہلی تصویر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہم تک پہنچائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ عبداللہ! مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔

میں نے حیرت اور ادب سے پوچھا؟ میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ یہ آپ پر اُتارا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، میں چاہتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی اور سے یہ قرآن سنوں۔ کہتے ہیں کہ میں نے سورۃ النساء پڑھنا شروع کی یہاں تک کہ میں اس آیت پر آیا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا.

(النساء: ۴۱)

(وہ وقت کیا ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تم کو ان سب پر گواہ کریں گے۔)

آواز آئی کہ عبداللہ اب بس کرو۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ——— (متفق علیہ)

اس تصویر کو دیکھئے اور غور سے دیکھئے۔ یہ کس ذمہ داری اور جواب دہی کا اتنا گہرا اور شدید احساس ہے کہ جس نے دل کو پگھلا دیا ہے اور آنکھوں کو نمناک کر دیا ہے۔ یہ ذمہ داری اللہ کے بندوں کے سامنے سچائی اور حق کی گواہی دینے کی ذمہ داری ہے...... اور یہ ذمہ داری دعوت کی ذمہ داری ہے۔ یہ اس احساس کی شدت ہے کہ ایک دن خدا کے سامنے کھڑا ہوں گا اور خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے اپنی گواہی دینے کی ذمہ داری کو کہاں تک ادا کیا تو اس وقت میں کیا جواب دوں گا، اس محبت کو دیکھئے جو اپنے رب سے ہے۔ اس خشیت کو دیکھئے جو اس کے سامنے کھڑے ہونے کے احساس سے ہے۔ یہ کیسا دل کو کھینچنے والا محبت و خشیت کا امتزاج ہے۔ مخلوق خداوندی کے لیے رحمت و شفقت کو

دیکھئے جو قلب میں موجزن ہے۔کلام ربانی پر کیسا یقین ہے کہ اس کی بارش کے چند قطرے برسے اور ایسا تموج پیدا ہوا کہ ساری محبت وخشیت اور رحمت آنکھوں میں عیاں اور رواں ہوگئی۔اس تصویر پر بے اختیار پیار کیوں نہ آئے۔

اب ذرا اس تصویر کے آئینہ میں اپنے کو بھی دیکھ لیجئے۔آپ کا بھی دعویٰ ہے کہ آپ اپنی قوم کے سامنے، سارے انسانوں کے سامنے، حق کی گواہی دینے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔یہی آپ کی زندگی کا مقصد ہے۔رات دن آپ کی زبانوں پر اسلامی نظام، اقامت دین، حاکمیت الٰہی، شہادت حق کے الفاظ رہتے ہیں۔سچ بتائیں کہ رات کی تاریکی اور تنہائی ہو یا دن کا اجالا ہو، اب تک ایسا کتنی بار ہوا کہ آپ کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھر آئی ہوں۔یہ سوچ کر کہ آپ کے چاروں طرف بسنے والے انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے جب آپ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تو آپ کا کیا ہوگا (فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا بِكَ) یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ جس طرح اللہ کے رسول نے ہمارے سامنے حق کی گواہی دی ہے، اسی طرح آپ سارے انسانوں کے سامنے گواہی دینے کے ذمہ دار ہیں۔جس طرح وہ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے، اسی طرح آپ بھی ہوں گے۔آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے اپنے خاندان، اپنے اسکول اور کالج، اپنے محلّہ اور دفتر، اپنے شہر اور ملک میں بسنے والے اور گمراہی میں بھٹکنے والے انسانوں کے سامنے حق کی گواہی دی یا نہیں؟ آپ سچے گواہ تھے یا جھوٹے، یا آپ اپنی گواہی کی ذمہ داری سے غافل ہی زندگی گزارتے رہے؟ آپ کو ان سب انسانوں کا درد اور غم تھا، یا صرف اپنی دنیا بنانے، یا صرف اپنی نجات کی فکر تھی؟

کیا یہ سب سوچ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے؟ اگر ایسا نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول کی یہ جو تصویر ہے یہ آپ کے دل میں نہیں اتری۔ابھی آپ کے دل میں وہ جذب دروں اور اپنے رب اور اس کی مخلوق سے وہ محبت نہیں پیدا ہوئی، جس کے بغیر آپ کی زندگی حسن وخوبی سے محروم رہے گی۔آپ نعرے لگالیں، تقریریں کرلیں، کتابیں پڑھ لیں، اجتماعات کرلیں، لیکن جب تک یہ جذب دروں، یہ محبت، اپنے مقصد کا یہ عشق آپ کے دل میں پیوست نہ ہوجائے اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوگا۔ہونا یہ چاہیے کہ آپ لرز اٹھیں، کانپ پڑیں، رو پڑیں، جب یہ سوچیں کہ ہر وہ شخص جو اپنے رب سے غافل اور بے نیاز ہے، اپنے رب کی راہ پر نہیں چل رہا، اپنے رب کی بندگی نہیں کر رہا،

اس کے بارے میں آپ سے آپ کا رب پوچھے گا اور آپ کو اس کی گمراہی کی جواب دینا پڑے گا اور اس کے اپنے رب سے دور رہنے کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

دوسری تصویر: دل غم ناک

اب دوسری تصویر دیکھئے۔ یہ تصویر کسی انسان نے نہیں کھینچی ہے بلکہ اس نے کھینچی ہے، جس نے اپنے آپ کو ''المصور'' کہا ہے اور جس کے کمال عکاسی پر ساری کائنات گواہ ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْن.

(شاید اس فکر و غم میں آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائے)

الفاظ تو بہت مختصر ہیں لیکن تصویر بڑی مکمل اور جامع ہے۔ بے شمار رنگ جھلک رہے ہیں۔ دل میں ہلچل مچا دینے والے بہت سے نقوش ابھر رہے ہیں۔ ایک رنگ دیکھئے۔ اپنی سچائی اور صداقت پر یقین ہے، ایسا یقین جیسے کہ روز روشن میں ہوتا ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے، جو چیز ہمارے لیے غیب کی حیثیت رکھتی ہے، وہ نبی کے لیے آنکھوں دیکھی چیز ہوتی ہے۔ اس یقین کے مقابلہ میں انکار ہے۔ بار بار انکار ہے۔ تکذیب ہے۔ جو شخص دن کے وقت کہے کہ لوگو! یہ دن ہے اور لوگ ماننے سے انکار کر دیں، جھٹلائیں اور اصرار کریں کہ وہ جھوٹا ہے، اپنے دل سے گھڑ کر کہہ رہا ہے کہ یہ دن کا وقت ہے اور سورج آسمان پر چمک رہا ہے۔ ذرا اس کا دل جس طرح گھٹ رہا ہے اس کا کچھ اندازہ کیجئے۔ پھر انکار و تکذیب ہی نہیں ہے بلکہ مذاق ہے اور استہزا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر مخالفت ہے، عناد ہے اور ظلم و ستم ہے تو سوچئے کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے اور ''المصور'' کے الفاظ بَـاخِعٌ نَفْسَكَ اس کیفیت کی کتنی صحیح عکاسی کر رہے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ دل آویز ایک اور نقش ہے۔ تکذیب و عناد پر دل گھٹنا، جان کا ہلاک ہونا تو بالکل فطری ہے۔ ہر انسان اس کا شکار ہوگا۔ جس بات کا چشم تصور کے لیے احاطہ کرنا بھی مشکل ہے اور جس کو ''المصور'' کی تصویر ہماری نظروں کے سامنے عیاں کر رہی ہے، وہ اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ ساری تکذیب و عناد کے باوجود دل میں غصہ نہیں ہے، مایوسی نہیں ہے، انتقام کا جذبہ نہیں ہے، روٹھ جانے اور دھتکار دینے کی روش نہیں ہے، تباہی و بربادی کی تمنا نہیں ہے، بلکہ خیر خواہی اور صرف خیر

خواہی، محبت اور صرف محبت ہے اور صرف ایک ہی دُھن ہے، ایک ہی شوق ہے، ایک ہی غم ہے، ایک ہی سوز ہے۔ ایسا کیسے ہو کہ یہ لوگ ایمان کی راہ پر آجائیں، خدا کے غضب اور اس کی آگ سے بچ جائیں، اس کی جنت میں پہنچ جائیں، اس دنیا میں قسط وانصاف کی نعمت سے نوازے جائیں۔ شوق، فکر اور غم کے رنگوں کا امتزاج ہے کہ جس سے فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ کی تصویر کے نقوش ابھرتے ہیں۔ اسی میں وہ جان گھلا رہا ہے، اسی میں ہلاک ہو رہا ہے، اسی میں اس کا دم گھٹ رہا ہے۔

سوز وغم صرف اس بات کا نہیں ہے کہ لوگ میری بات نہیں مانتے، جان صرف اس لیے نہیں گھل رہی کہ سچی ہدایت کا انکار ہے، دھن صرف اس بات کی نہیں کہ لوگ کسی طرح میرے اوپر اعتماد کرلیں اور میری بات پر ایمان لے آئیں، بلکہ سوز ودرد اس کا ہے کہ لوگ پروانہ وار آگ کی طرف دوڑے چلے جارہے ہیں۔ اس میں گر رہے ہیں۔ اس پر راضی ہیں، خوش ہیں، مطمئن ہیں۔

''کیسا عجیب ہے ان کا حوصلہ کہ آگ میں جلنے کے لیے تیار ہیں''۔ (البقرہ:۱۷۵)

ایک طرف رب اور اس کی مخلوق کی محبت ہے، اپنی فطرت سراپا رحمت ہے کہ ہیں ہی رحمۃ للعالمین۔ دوسری طرف جن سے محبت ہے وہ محبوب حقیقی سے دور بھاگ رہے ہیں اور ہلاک ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ذرا اس دل کی کیفیت کا اندازہ کیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اس کی عکاسی یوں فرمائی ہے:

''میری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے آگ جلائی اور جب سارا گردوپیش روشن ہوگیا تو کیڑے اور پروانے آگ میں گرنے لگے۔ اب وہ شخص ہے کہ ان کو روک رہا ہے، لیکن پتنگے ہیں کہ اس کی کوششوں پر غالب ہوتے چلے جارہے ہیں اور آگ میں گرے پڑ رہے ہیں۔ اسی طرح میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گرے پڑ رہے ہو''

............(متفق علیہ)

اب اس تصویر کے آئینہ میں ذرا اپنا سراپا دیکھیے۔ کیا آپ کو اپنے پیغام پر اتنا ہی یقین ہے کہ لوگ انکار کریں تو آپ کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہو؟ کیا خدا کے بندوں کی محبت اتنی ہی پختہ ہے کہ آپ کے دل میں مایوسی، انتقام، غصہ اور نصرت کے بجائے بس ان کو راہ ہدایت پر لانے کی فکر اور شوق غالب ہے؟ کیا لوگوں کو گمراہی میں دیکھ کر آپ کا دل بھی اسی طرح کڑھتا ہے اور سوز وغم میں مبتلا ہوتا ہے، جس طرح اپنے کسی پیارے کو آگ میں جلتا دیکھ کر ہوگا؟ آخر ان لوگوں میں آپ کے ماں باپ، بھائی بہن،

بیوی بچے، رشتہ دار اقرباء، دوست احباب، ساتھ پڑھنے والے اور کام کرنے والے سب ہی ہیں۔ دنیا کی پریشانیاں اور فکریں، مالی تفکرات، جن سے محبت ہے ان کی دنیاوی مصیبتیں اور تکلیفیں ہم کو پریشان کرتی ہیں اور ہلاک کرتی ہیں۔ کس طرح کرتی ہیں، اس کا ہم سب کو تجربہ ہے۔ کیا دعوت کی فکر، اللہ کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کی دُھن، بھٹکتے انسانوں کو آگ سے بچا کر جنت تک پہنچانے کی تڑپ، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ آپ کے دل بے چین اور مضطرب رکھتی ہے؟ کیا لوگوں کو اللہ کی نافرمانی کرتے دیکھ کر ہم کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ آگ میں گرے پڑے رہے ہیں اور ان پر گمراہی کے فتوے صادر کرنے کے بجائے ہمیں کس طرح کمر سے پکڑ کر ان کو اس ہولناک انجام سے بچانا ہے؟

یقین جانئے کہ جب تک کسی نہ کسی درجہ میں بَـاخِـعٌ نَفْسَکَ کی اس تصویر کا رنگ و نقش ہماری زندگی میں نہ اترے گا، اس وقت تک ہم اس کام کو کرنے بلکہ اس کا نام لینے کے بھی اہل نہ ہوں گے کہ جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔

تیسری تصویر: زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

اب تیسری تصویر دیکھئے۔ یہ جو حسین و روح افزا منظر دکھا رہی ہے وہ نتیجہ ہے اس حسن و جمال کا جس کا نظارہ آپ نے پہلی دو تصویروں میں کیا ہے۔ وہ دو تصویریں نہ ہوتیں تو اس تیسری تصویر کا منظر وجود میں ہی نہ آتا۔

عرفات کا وسیع و عریض میدان ہے۔ ہزاروں لوگ جمع ہیں، ڈیڑھ لاکھ کے قریب مرد بھی ہیں، عورتیں بھی اور بچے بھی۔ یہ سارے لوگ عرب کے گوشہ گوشہ سے آئے ہیں۔ یہ اس پکار کے جواب میں آئے ہیں جو سلسلۂ رشد و ہدایت کے امام عالی مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلند کی تھی اور جس پکار کو ان کے فرزند اور اس سلسلہ کے آخری امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ کیا، عرب کے ہر کونہ تک پہنچایا، گرد و پیش کی ساری دنیا کو سنایا اور رہتی دنیا تک انسانوں کو پہنچانے کا انتظام کیا۔ حضور ایک اونٹنی پر سوار ہیں۔ اپنی امت کو آخری ہدایت دے رہے ہیں۔ تقریر کے اختتام پر پہنچتے ہیں تو ان ہزاروں لوگوں کو مخاطب کر کے پوچھتے ہیں۔

”کل خدا کے ہاں تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لوگو! مجھے بتاؤ کہ اس

وقت تم کیا کہو گے"

ہزاروں کے مجمع نے ایک آواز ہو کر کہا۔

"ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے نصیحت کا کام پورا کر دیا۔ آپ نے امانت الٰہی کو کما حقہ! ہم تک پہنچا دیا"۔

حضور نے اپنے کلمہ کی انگلی کو بلند کیا۔ کبھی آسمان کی طرف اٹھاتے، کبھی مجمع کی طرف جھکاتے اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ: اے اللہ تو گواہ رہنا

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ: اے اللہ تو گواہ رہنا

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ: اے اللہ تو گواہ رہنا ——(ابوداؤد۔ مسلم)

کوئی ہے جو اس طرح انسانوں اور خدا کو اپنے فرض کی تکمیل پر گواہ بنا سکتا ہے۔ یہ تصویر کیا ہے، آپ کے لیے ایک سوال ہے۔ آپ برسوں سے ایک دعوت اور پیغام کے علمبردار ہیں۔ اس دعوت کو آپ نے اپنی پوری زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ آپ کے شب و روز اسی مقصد کی خاطر گزرتے ہیں۔ آپ کے دل میں یہ شکوہ بھی ہے کہ اتنے برس ہو گئے اور لوگ ہماری بات سن کر نہیں دیتے۔ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ کیا آپ اس پوزیشن میں ہیں کہ عالم انسانیت کو نہیں، اپنے گردوپیش بسنے والے غیر مسلموں کو نہیں، اپنے ملک کو نہیں، اپنے شہر کو بھی نہیں، صرف اپنے محلّہ یا اپنے خاندان کو جمع کر کے یہ گواہی لیں کہ کیا میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیا، امانت ادا کر دی، نصیحت کا حق پورا کر دیا، کیا خدا کے یہاں تم یہ کہنے کو تیار ہو گے اور وہ یہ کہیں کہ ہاں، تم نے پہنچا دیا؟

یہ پہنچانے کی ذمہ داری یعنی بلاغ، یہ بلانے کی ذمہ داری یعنی دعوت، یہ گواہی کی ذمہ داری یعنی شہادت تو آپ پر اپنے گھر والوں کے حوالہ سے بھی آتی ہے، اپنے خاندان والوں کے حوالہ سے بھی، محلّہ میں رہنے والوں کے حوالہ سے بھی، اسکول، کالج، دفتر، کارخانہ میں ساتھیوں اور ملاقاتیوں کے حوالہ سے بھی، اور سچ پوچھئے تو ہر اس انسان کے حوالہ سے بھی جو آپ تک آتا ہے یا آپ اس تک پہنچ سکتے ہیں اور وہ ہدایت سے محروم ہے اور شفاء کا محتاج ہے۔ ان میں سے ہر ایک آپ سے یہ سوال کر سکتا

ہے کہ میں اندھیرے میں تھا، تمہارے پاس روشنی تھی، میں بیمار تھا، تمہارے پاس دوا تھی، میں سو رہا تھا، تمہارے پاس صدائے جرس تھی، میں بھٹک رہا تھا، تمہارے پاس راہ کی خبر تھی، پھر تم کیا کر رہے تھے؟ اگر آج میں خدا کے ہاں ہلاکت سے دوچار ہوں تو کیا تم اس کی ذمہ داری سے بچ سکتے ہو؟

ان تینوں تصویروں سے اسوۂ دعوت کے جو نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں اور جن کو آپ کو اپنی زندگی میں سمونا ہے، وہ واضح ہیں۔

- دعوت اور مقام دعوت کی ذمہ داری کا شدید احساس
- زندگی میں دھن اور فکر سب سے بڑھ کر یہ ہو کہ ہم اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچائیں
- ہمہ وقت احتساب کہ جن اللہ کے بندوں سے ہمارا کسی طرح کا بھی تعلق ہے کیا وہ اللہ کے سامنے یہ گواہی دیں گے کہ ہم نے ان کی خیر خواہی، بھلائی، نصیحت اور ان تک اللہ کی امانت پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

زخم کھا کر پھول برسائے

میرے اس البم کے کئی حصے ہیں۔ میں نے ساری تصویروں کو ایک قرینہ اور ترتیب سے رکھا ہے۔ اب میں چوتھی تصویر آپ کو ایک دوسرے حصہ سے دکھاؤں گا۔ یہ تصویر مجھے بہت پسند ہے۔ اس کو میں بار بار دیکھا کرتا ہوں اور نہ معلوم کب سے اپنے دوستوں کو دکھا رہا ہوں۔ اگر پہلی تصویریں اس پیکر جمیل کی تھیں جو دعوت کے حوالہ سے بنتا ہے تو یہ تصویر اس حسن و جمال کو جلوہ گر کرتی ہے جو دعوت کے مخاطبین کے حوالہ سے وجود میں آتا ہے۔

چوتھی تصویر: طائف کی وادی

یہ کارِ دعوت و نبوت کا دسواں سال ہے۔ دس سال کی محنت کے بعد بھی مکہ کے سردار اور عوام اس بات کے لیے تیار نہ ہوئے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی اختیار کریں۔ اس کے رسول کی اطاعت قبول کریں اور مکہ کو دعوت الٰہی کا مرکز بنا دیں، بلکہ اب تو وہ داعی حق کو ہی ختم کر دینے کی سوچ رہے ہیں۔ شفیق چچا ابو طالب کا سہارا تھا وہ رخصت ہو چکے ہیں۔ پچیس سال سے حضرت خدیجہؓ سے رفاقت تھی وہ بھی گزر گئیں۔ اب کدھر کا رخ کریں؟ مکہ نے اپنے بہترین ہیرے آپ کی گود میں ڈال دیئے ہیں، لیکن اب تو اس مسکن کی تلاش ہے، جہاں خدائے واحد بندگی کی بنیاد پر ایک نیا معاشرہ قائم ہو اور ساری دنیا پر اس کے خالق کی حکومت قائم کرنے کا سامان ہو۔ نبی کریمؐ طائف کا سوچتے ہیں اور وہاں کا رخ کرتے ہیں، مکہ سے قریب یہی شہر ہے۔ زمین زرخیز، پانی وافر، باغات سے مالا مال۔ شاید کہ وہاں کے سردار اور امراء اس دعوت کو قبول کر لیں۔

راستہ دشوار گزار پہاڑیوں اور وادیوں سے بھرا ہوا ہے۔ گرمی کا موسم ہے اور وہ بھی عرب کی تپتی ہوئی گرمی۔ ۵۰ سال کی عمر ہے، جوانی کا زمانہ نہیں کہ دشوار سفر آسان ہو جائیں۔ سفر کے لیے سواری کا بندوبست بھی اب ممکن نہیں کہ ساری دولت کارِ دعوت میں صرف ہو چکی ہے۔ چنانچہ پیادہ پا دو چپلوں پر سارا راستہ طے ہو رہا ہے۔ ساتھ حضرت زید بن حارثہؓ ہیں۔ منہ بولے بیٹے اور...... راہِ حق کے نوجوان ساتھی۔

طائف پہنچ کر حضور، بنو ثقیف کے تین سرداروں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے پاس جاتے ہیں اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے ہیں۔ دس سال مکہ میں ٹھکرائے جانے کے بعد جو امیدیں طائف سے ہو سکتی تھیں، وہ چکنا چور ہو جاتی ہیں۔ جب امارت و دولت اور اقتدار و کبر کے نشہ میں چور یہ تین سردار بھی اس دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ ان کے جواب سننے کے لائق ہیں۔ ٹوٹے ہوئے دل کے

لیے پہلا تیر یہ تھا:

''کیا اللہ کو تمہارے سوا رسول بنانے کے لیے اور کوئی نہیں ملا کہ جسے سواری کے لیے گدھا تک میسر نہیں''۔

دوسرے نے اپنا سیاسی نظریہ پیش کیا:

''کعبہ کے پردے تار تار ہو جائیں گے اگر اللہ نے تمہیں اپنا رسول بنایا ہے۔

تیسرے نے منطق چھانٹی:

''میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔ کیونکہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو میں اس کا مستحق نہیں کہ تم سے بات کروں، اور اگر نہیں ہو تو میری ذلت ہے کہ کسی جھوٹے سے بات کروں''۔

زخمی دل کے ساتھ سرداروں کی محفل سے نکل کر آپ باہر آتے ہیں تو طائف کے سردار شہر کے لچے لفنگے لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیتے ہیں۔ یہ اوباش آپ پر پتھروں کی بارش کر دیتے ہیں۔ تاک تاک کر آپ کے ٹخنوں اور ایڑیوں پر پتھر مارتے ہیں، جب چوٹوں کی تکلیف سے مجبور ہو کر آپ بیٹھ جاتے ہیں تو آپ کو پکڑ کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ دو میل کے راستہ پر اسی طرح سنگ باری کے نتیجہ میں آپ زخموں سے چور اور لہولہان ہو جاتے ہیں اور بالآخر طائف کی بستی سے نکل کر ایک باغ میں پناہ لیتے ہیں ـــــ ذرا یہ منظر دیکھئے کس کا دل ہے کہ شق نہ ہو جائے۔

زخموں سے گھٹنے چور ہو گئے۔ پنڈلیاں گھاؤ ہو گئیں، کپڑے لال ہو گئے، نوعمر رفیق (زیدؓ) نے سڑک سے بیہوشی کی حالت میں جس طرح بن پڑا اٹھایا۔ پانی کے کسی گڑھے کے کنارے لایا، جوتیاں اتارنی چاہیں تو خون کے گوند سے وہ تلوے کے ساتھ اس طرح چپک گئی تھیں کہ ان کا چھڑانا دشوار تھا۔

(مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتمؐ ص:۵۸)

یہ کیسا دن ہے جو سب کے لیے تھا اور سب کے لیے ہے۔ قیامت تک کے لیے ہے۔ کیسا دردناک نظارہ ہے۔ اس کو سب واپس کر رہے تھے۔ بات اسی پر ختم نہیں ہو گئی کہ انہوں نے جو پیش کیا تھا اس کو صرف رد کر دیا بلکہ آگ میں پھاندنے والوں کی جو

کمریں پکڑ پکڑ گھسیٹ رہا تھا وہی کمر کے بل گرایا جاتا تھا۔

(مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتمؐ ص:۵۸)

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ پر اُحد کے دن سے بھی سخت دن کوئی گزرا ہے''۔ فرمایا:

''تیری قوم کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں، مگر سب سے بڑھ کر سخت دن وہ تھا جب میں نے طائف میں عبد یا لیل کے سامنے دعوت رکھی اور اس نے رد کر دیا۔''

(نعیم صدیقی، محسن انسانیت: ص۱۹۶-المواہب اللدنیہ)

طائف کا سفر، ٹوٹا ہوا دل، زخموں سے چور جسم، زندگی کا سب سے زیادہ سخت دن، یہ سارے مناظر نگاہوں میں رکھیے اور اب یہ بھی دیکھیے زبان پر الفاظ کیا ہیں!!

''الٰہی اپنی بے زوری و بے بسی اور بے سروسامانی کا شکوہ تجھ ہی سے کرتا ہوں، دیکھ انسانوں میں ہلکا کیا گیا، لوگوں میں یہ کیسی سبکی ہو رہی ہے۔

اے مہربان مالک میری سن!

درماندہ اور بے کسوں کا رب تو ہی ہے۔ تو ہی میرا مالک ہے۔

مجھے تو کن کے سپرد کرتا ہے، کیا اس حریف بیگانہ کے جو مجھ سے ترش روئی روا رکھتا ہے یا تو نے مجھ کو، میرے سارے معاملات کو دشمنوں کے قابو میں دے دیا ہے؟

پھر بھی اگر تو مجھ سے ناراض نہیں، تو مجھے ان باتوں کی کیا پروا۔

کچھ بھی ہو میری سمائی تیری عافیت کی گود میں ہی ہے۔

اور تیرے چہرہ کی وہ جگمگاہٹ جس سے اندھیریاں روشنی بن جاتی ہیں! میں اس نور کی پناہ میں آتا ہوں کہ اس سے دنیا اور آخرت کا سدھار ہے۔

مجھ پر تیرا غصہ بھڑکے، اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ مجھ پر تیرا غضب ٹوٹے، اس سے تیرے سایہ میں آتا ہوں۔

منانا ہے، منانا ہے اس وقت تک منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔
نہ قابو ہے، نہ زور ہے، مگر اعلیٰ و عظیم اللہ ہے''۔

دل کی اس کیفیت کو آپ نے دیکھ لیا۔ دعوت کی لگن اور اس کی خاطر طائف کا یہ سفر...... اپنے رب پر بھروسہ اور اس کی رضا کی تلاش، یہ رنگ تو ہویدا ہیں ہی۔ اب وہ رنگ اور ہیں جو دراصل آپ کو دکھانا مقصود ہیں۔ حضور باغ میں بیٹھے ہیں۔ آپ کے یہ الفاظ سن کر نوجوان ساتھی حضرت زید بن حارثہؓ عرض کرتے ہیں:

یارسول اللہ! ان ظالموں کے لیے بددعا کیجئے۔
رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں ان لوگوں کے لیے کیوں بددعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا کے اوپر ایمان نہیں لائے تو مجھے امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور خدائے واحد کی پرستار ہوں گی۔
ایک لکھنے والے کے الفاظ میں:
یہ حضور کی شان رحمت و رأفت تھی۔ خلق خدا پر لامتناہی شفقت اور صبر و استقامت کی حیرت انگیز مثال تھی، مخلوق کے لیے بے پناہ تڑپ، پیغام حق پر انتہائی یقین اور اس پیغام کو دنیا تک پہنچانے کا جو نادر نمونہ اس ارشاد میں ملتا ہے، سرگزشت عالم میں کوئی دوسری نظیر نظر نہیں آتی۔ عالم انسانیت کے دوسرے برگزیدہ وجود کے قدم ہائے مبارک شفقت علی الخلق کے اس بلند ترین مقام تک نہ پہنچ سکے''۔

(ابوالکلام آزاد، رسول رحمت: ص۱۵۲)

باغ سے نکل کر مکہ کی راہ لیتے ہیں اور اس مقام تک پہنچتے ہیں جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے۔ یہاں جبرئیل امین تشریف لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں:

اللہ نے وہ سب کچھ سن لیا، جو آپ کی قوم نے آپ سے کہا اور آپ کی دعوت کا جو جواب دیا:
اے محمدؐ! اللہ نے آپ کے پاس یہ پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، جو چاہیں اسے حکم دیں۔

پہاڑوں کا فرشتہ سلام عرض کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے:
اے محمدؐ! آپ کو پورا اختیار ہے۔ ارشاد ہو تو ان دونوں پہاڑوں کو اٹھا کر، جن میں طائف محصور ہے، اس شہر کو پیس کر رکھ دوں۔
ذرا دیکھئے:
جس کے گھٹنے توڑے گئے، ٹخنے چور کیے گئے، اب اس کے قابو میں کیا نہیں ہے؟ اور جو اختیار دیا گیا، کیا وہ پھر چھینا گیا؟...... جسے پتھر کے ٹکڑوں سے پٹوایا گیا تھا اسی کو اختیار دیا گیا کہ وہ پہاڑوں سے اس کا جواب دے سکتا ہے اور بآسانی دے سکتا ہے......اب دیکھو جسے جبال ملے، ملک الجبال ملا، وہ اپنی قوت سے کیا کام لیتا ہے۔ جنہوں نے اس کو ہلکا کیا تھا، کیا ان پر ان کی زندگی کو وہ بھاری کرے گا۔ چاہتا تو یہ کر سکتا تھا اور اس کو حق تھا کہ جنہوں نے اس پر پتھراؤ کیا تھا، ان کو سنگسار کرے۔
(گیلانی، النبی الخاتمؐ ص: ۶۵-۶۷)

لیکن وہی تاریخ جس نے قوم نوح کے طوفان، قوم عاد کی آندھی، قوم ثمود کی چنگھاڑ اور کڑک، قوم لوط کی پتھروں کی بارش اور موسیٰ کے دریا کے واقعات کو ریکارڈ کیا ہے۔ اسی تاریخ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جواب بھی محفوظ رکھا ہے۔ پہاڑوں کے فرشتہ سے فرمایا جا رہا ہے:

"میں مایوس نہیں ہوں کہ ان کی پشتوں سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ بنائیں"۔

کتنی خوبصورت و دل ربا ہے طائف کی یہ پوری متحرک تصویر۔ اس پر دل کیوں نہ آئے۔ محبت کا کیسا ابلتا ہوا چشمہ ہے۔ کیسی فراوانی ہے رحمت کی، کتنی شفقت ہے اپنے رب کے بندوں پر۔ امید کی کتنی محفوظ چٹان ہے، جس پر دعوت کی کشتی لنگر انداز ہے۔ اپنوں سے تو سب ہی محبت کرتے ہیں، دشمنوں سے کتنے محبت کرتے ہیں؟ اچھی بات کا تو سب ہی اچھا جواب دیتے ہیں، کتنے ہیں جو گالیوں اور پتھروں کا جواب دعاؤں سے دیتے ہیں؟ جذبۂ انتقام نہیں، نفرت نہیں، غیض و غضب نہیں، غصہ نہیں، مایوسی نہیں، گالیاں نہیں، اپنے اوپر زعم اور غرہ نہیں، طاقت کا غلط استعمال نہیں، بلکہ دلسوزی ہے، ہمدردی ہے، شفقت ہے، رحمت ہے، زندگی کا پیغام ہے۔ طاقت کا اگر کہیں استعمال ہے تو کم سے کم

ہے، بقدرِ ضرورت ہے، صرف اس لیے ہے کہ اب طاقت کے استعمال کے بغیر فتنہ کا استیصال ممکن نہیں، نہ کہ اس لیے کہ فتنہ اور پھیل جائے۔ سب سے بڑھ کر فکر اگر کسی بات کی ہے، سوز وتڑپ اگر کسی چیز کے لیے ہے، تو صرف اسی لیے ہے کہ دل مسخر ہوں، اپنے رب کے آگے جھک جائیں، ایسے لوگ پیدا ہوں کہ جو دعوت حق پر لبیک کہیں اور ساتھ آجائیں۔ آج نہ ہوں تو کل ہوں۔

یہ تصویر مجھے بار بار یاد آتی ہے۔ کشمکش اور مخالفت میں، بحث اور جدل میں، ہنگاموں اور لڑائیوں میں، ہم اکثر اس تصویر کو بالکل ہی بھول جاتے ہیں۔ ہم یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ ہماری لڑائی مرض سے ہے، مریض سے نہیں۔ ہمیں نفرت برائی اور بدی سے ہے، برے انسان سے نہیں۔ برے انسان کو اسی وقت کاٹ کر پھینکا جاتا ہے، جب شفاء کی امید ختم ہو چکی ہو۔ اس تصویر کو دیکھئے اور خود کو دیکھئے۔ کیا آپ کے اندر اتنی محبت، نرمی، شفقت، دلسوزی، حوصلہ، صبر اور قوت ہے کہ آپ گالیاں اور پتھر کھائیں اور ان کا جواب دعاؤں سے دیں؟ آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے جائیں اور آپ پھول برسائیں۔ آپ کو ٹھکرایا جائے اور آپ امیدیں باندھے رکھیں، آپ کو کاٹا جائے اور آپ جڑیں۔ آپ پر ظلم کیا جائے اور آپ معاف کر دیں۔ آپ کو محروم رکھا جائے اور آپ دیتے رہیں؟

یہ ضرور ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دینا کوئی آسان کام نہیں، لیکن اللہ کی طرف بلانے کے لیے عمل صالح کے لیے اور اسلام پر جم جانے کے لیے اسی کی ضرورت ہے۔ یہ قیمتی دولت اسی کو ملتی ہے جو بڑا قسمت والا ہو، لیکن قسمت والا وہی ہے کہ جو صبر کی صفت سے مزین ہو، یہی ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ اَحْسَنَ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. وَلاَ تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلاَ السَّیِّئَةُ، اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَاالَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ. وَمَا یُلَقّٰهَا اِلاَّ الَّذِیْنَ صَبَرُواْ وَمَا یُلَقّٰهَا اِلاَّ ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ.

اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلم ہوں۔

اور اے نبیؐ! نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری

دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی، مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں
اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا، مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔

(حم السجدہ: ۳۴-۳۵)

سچی بات آپ سے کہہ دوں —— جب تک آپ کے اندر یہی عزم و حوصلہ نہ ہوگا، یہی محبت وشفقت نہ ہوگی، اس وقت تک آپ لوگوں کے دل جیتنے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ داعی کسی کا ذاتی حریف اور دشمن نہیں ہوتا۔ وہ لڑتا ہے تو جذبہ خیر خواہی سے مجبور ہو کر لڑتا ہے۔ مارتا ہے تو اسی دلسوزی سے جس دلسوزی سے سرجن ایک گلے سڑے عضو کو کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔